R-NO-2186/57
REGD-NO-L-922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۸ ۔ شمارہ ۱۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم مئی ۱۹۶۹ء

اداریہ

یونیورسٹی کے معیار کے مطابق اردو میں علمی کتابوں کی تیاری کا مسئلہ

۲۳ اپریل ۱۹۶۹ء کو مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر وی کے۔ آر۔ وی راؤ کی دعوت پر متعلقہ وائس چانسلروں اور اردو کے شعبوں کے صدر صاحبان کی ایک کانفرنس اس غرض سے منعقد ہوئی کہ اردو میں یونیورسٹی کے معیار کے مطابق علمی کتابوں کی تیاری کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔ اس کانفرنس میں اردو کے علمی اداروں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ وزیر تعلیم نے اپنی افتتاحی تقریر میں اردو زبان کی قومی حیثیت پر زور دیا اور اپنی وزارت کی طرف سے حاضرین کو یقین دلایا کہ وہ اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے موجودہ منصوبے میں پچاس لاکھ روپیہ صرف کرنے کو تیار ہیں اور بقیہ پچاس لاکھ کی اگلے منصوبے میں گنجائش رکھیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ ابھی تک کسی یونیورسٹی نے اردو کو ذریعہ تعلیم قرار نہیں دیا ہے اس لئے حکومت ہند علمی کتابوں کی تیاری کے ساتھ تخلیقی ادب کی ترقی کے لئے بھی گنجائش نکالنے کو تیار ہے۔ انھوں نے ایک مرکزی ادارے کے قیام کی تجویز پیش کی جس کا نام ترقی اردو بورڈ ہو اور چونکہ وہ ہندی کے بورڈ کے صدر ہیں اس لئے اردو کے بورڈ کا صدر ہونا بھی منظور کیا۔ انھیں کی تجویز پر پروفیسر مجیب کو اس بورڈ کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد حاضرین میں سے کئی احباب نے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا اور بالآخر ایک کمیٹی پندرہ اصحاب پر مشتمل اس غرض سے بنائی گئی کہ وہ بورڈ کی تشکیل اور اس کے کام کے مختلف اجزا کے متعلق غور کر کے جلد اپنی رپورٹ پیش کرے۔ امید ہے کہ وسط مئی تک اس کمیٹی کی میٹنگ ہو سکے گی اور پھر جلد ہی ترقی اردو بورڈ کے ضروری کام کا مناسب خطوط پر آغاز ہو سکے گا۔ مرکزی وزیر تعلیم کی اس کام سے دلچسپی اردو دوستوں کے لئے ہر لحاظ سے باعث مسرت ہے اور وہ امید رکھتے ہیں کہ اس دلچسپی سے عملی اور مفید نتائج بھی برآمد ہو سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو میں علمی کتابوں کی تیاری اتنا مشکل کام نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ ہماری زبان میں اس کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ جدید علمی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور ہمارے یہاں اس کی روایت بھی موجود ہے۔ انیسویں صدی ہی میں حیدرآباد، لکھنؤ اور دہلی میں مغربی علوم کے تراجم کا آغاز ہو گیا تھا۔ سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کی خدمات تو سبھی پر روشن ہیں۔ بیسویں صدی میں عثمانیہ یونیورسٹی کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں تمام جدید علوم کی تعلیم دی جا سکتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ جامعہ ملیہ میں بھی اردو ذریعہ تعلیم کا کامیاب تجربہ ہو چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند اور دوسرے ادبی اداروں نے مغربی مصنفین کی معیاری کتابوں کے خاصی تعداد میں ترجمے شائع کئے ہیں۔ غرض زبان کی صلاحیت مسلّم ہے اور اس لئے یہ توقع تھی کہ یونیورسٹیاں جب جدید ہندوستانی زبانوں کے ذریعے تعلیم دینے لگیں گی تو کچھ یونیورسٹیاں اردو کو بھی ذریعہ تعلیم بنائیں گی۔ مگر ملک کے سیاسی حالات نے یہ توقع پوری نہ ہونے دی۔ اگرچہ اب بھی بعض ریاستوں میں اردو کے ذریعے سے ثانوی تعلیم دی جاتی ہے اور حیدرآباد میں اردو آرٹس کالج بی اے کے لئے اردو میں تعلیم دیتا ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ سوائے ہماری بعض یونیورسٹیوں کے کہیں اردو میں جوابات دینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کچھ عرصہ ہوا یہ تجربہ کیا گیا تھا مگر چند سال بعد ہی ختم کر دیا گیا۔ اب پھر کوشش ہے کہ اردو اور ہندی میں امتحان کے جوابات لکھنے کی اجازت ہو جائے۔ غرض ترقی اردو بورڈ کو صرف کتابیں ہی تیار کرنا نہیں ہیں، یونیورسٹیوں کو اس پر راضی بھی کرنا ہے کہ وہ اردو کے ذریعہ سے تعلیم کی سہولتیں فراہم کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف اردو میں تعلیم دیں۔ انگریزی یا ہندی یا کسی اور زبان میں بھی دے سکتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک ذریعہ تعلیم اردو بھی

ہو پھر ایسی اصطلاحات تیار کرنے کا مسئلہ ہے جو واضح، منطقی اور عام فہم ہوں۔ ظاہر ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ضروری ہے اور چلن کا بھی خیال رکھنا ہے، مگر خاصی تعداد میں اصطلاحات وضع کرنی ہوں گی۔ اس مرحلے پر مرکزی ہندی کمیشن کی وضع کی ہوئی اصطلاحات سے زیادہ مدد نہ ملے گی کیونکہ اردو کی اپنی جینس اور مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے سنسکرت سے ماخوذ اصطلاحات ہمارے لئے مفید نہ ہوں گی، نہ ہم جامعہ عثمانیہ کی عربی فارسی سے ماخوذ اصطلاحات کو آنکھ بند کرکے لے سکتے ہیں، ہمیں اس سلسلے میں جدید ضروریات، ہمیں اردو کے مزاج اور ملک کی دوسری زبانوں سے ہم آہنگی سبھی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کتابوں میں ترجمے اور تالیف دونوں میں ایک توازن قائم کرنا ہوگا۔ ماہرین کی ایک ایسی فہرست تیار کرنا ہوگی جو اپنے فن کے عالم ہوں اور اردو میں اظہار خیال کرسکتے ہوں اور اس سلسلے میں سارے ہندوستان، سبھی یونیورسٹیوں اور سبھی علمی اداروں کو پیش نظر رکھنا ہوگا ہمیں خاص بڑی تعداد میں لغت، انسائکلوپیڈیا اور حوالوں کی کتابوں کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ درس و تدریس کے نئے طریقوں کو اپنانا اور مدرسین کی تربیت کے لئے مناسب لیکچروں کا بھی انتظام کرنا ہوگا۔ اردو دوستوں کو اس مرحلے پر اس مبارک کام میں مدد کرنی چاہئے تاکہ اردو کے علمی سرمائے میں قرار واقعی اضافہ ہوسکے اور اردو کے ذریعہ سے آئندہ نسلوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کیا جاسکے اور ان کی شخصیت کی صحیح تعمیر ہوسکے۔

بیسک لٹریچر کے چھٹے کل ہند مقابلے میں اردو کی کتاب کا انتخاب

نئی دہلی: جناب ایس۔ اے۔ احمد کی اردو زبان میں لکھی ہوئی کتاب پنچایتی راج ترقی کے راستے پر، بنیادی ادب کے چھٹے کل ہند مقابلے میں ایک ہزار روپے کے انعام کے لئے چنی گئی۔ یہ مقابلہ مرکزی حکومت کے اجتماعی ترقی اور امداد باہمی کے محکمے کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس مقابلہ میں مختلف بھارتی زبانوں کی ۸۰ کتابیں اور مسودوں کو چنا گیا ہے۔ ان کتابوں کا انتخاب خوراک، زراعت، اجتماعی ترقی اور امداد باہمی کے مرکزی وزیر ریاست جناب ایم۔ ایس۔ گرو پد سوامی کی زیر صدارت قائم کردہ کمیٹی نے کیا ہے۔

(الجمعیۃ)

امریکہ میں اردو کی مقبولیت

کراچی: تاریخ اور ایشیائی معاملات کے امریکن پروفیسر ڈاکٹر ایمبری آج کل یہاں آئے ہیں انھوں نے کہا ہے کہ جو امریکن طلبہ جنوب مشرقی ایشیا کے مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں ان میں ہندی کے بعد اردو زبان زیادہ مقبول ہے انھوں نے کہا اردو امریکہ کے ۱۵ کالجوں میں اور بنگلہ چار کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے پروفیسر ایمبری نے کہا کوشش کی جارہی ہے کہ امریکہ میں ہندوستانی مطالعات کے ادارے کی طرح کا پاکستانی مطالعات کا ایک ادارہ بھی قائم کیا جائے۔

(الجمعیۃ)

نظر برنی کا مجموعہ کلام متاع نظر زیر اشاعت

نئی دہلی: اردو کے جوان فکر شاعر جناب سید نظر برنی ایم اے کا پہلا مجموعہ کلام "متاع نظر" اشاعت کی آخری منزلوں میں پہنچ گیا ہے اس میں غزلیں اور نظمیں دونوں اصناف سخن شامل ہیں۔ مکتبہ ناز برنی جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ کے زیر اہتمام شائع ہورہا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب نظر برنی نے اس سے قبل پنڈت جواہر لال نہرو کے متعلق ہندوستان کے متعدد شعرا کا ایک مجموعہ کلام "بوئے گل" کے نام سے ترتیب دیا تھا جو علمی اور ادبی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل کرچکا ہے۔ (محمد اسلام)

من سمجھاون کا ہندی ترجمہ

اردو کی ممتاز نقاد اور محقق محترمہ ڈاکٹر سیدہ جعفر صاحبہ ریڈر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کی مرتبہ کتاب "من سمجھاون" (مثنوی شاہ تراب) کا ہندی ترجمہ جنوبی ہند کے مشہور ادارے "ہندی پرچار سبھا حیدرآباد" کی طرف سے شائع ہوچکا ہے یہ کتاب دفتر ہندی پرچار سبھا نامپلی حیدرآباد سے اور دو روپے ۔۔ پیسے میں خریدی جاسکتی ہے اس سے قبل من سمجھاون کے بعض حصوں کے تراجم عربی اور مرہٹی میں بھی شائع ہوچکے ہیں۔ (ابن نامی)

اردو میں حلف کی اجازت نہ دینے پر ریاستی انجمن کا حکومت یوپی سے احتجاج

ہم اراکین مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو اترپردیش کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ حکومت اترپردیش نے بعض اسمبلی کے ممبروں کو ان کے اصرار کے باوجود اردو میں حلف لینے کی اجازت نہیں دی اور مجبوراً ان کو ہندی زبان میں حلف لینا پڑا۔ اردو ہندوستان کی ایک مستند زبان ہے جس کو دستور اساسی نے تسلیم کیا ہے اور جو اس ملک کی قابل لحاظ آبادی کی مادری زبان ہے۔ حکومت اترپردیش بھی اردو کو مختلف سرکلروں میں تسلیم کرچکی ہے نیز عدالت عالیہ الہ آباد بھی بنارس کارپوریشن کے ممبروں کے اردو میں حلف لینے کو اگست ۱۹۷۰ء کے فیصلہ میں جائز قرار دیا ہے حلف ایسی چیز ہے جس کو لوگ اپنے دل کی گہرائیوں سے ادا کرنا چاہتے ہیں، جس کے لئے بہترین الفاظ مادری زبان ہی میں ادا کیے جاسکتے ہیں اس کو بغیر کسی قانونی نقطہ کی وجہ کے ممنوع قرار دینا افسوس ناک چیز ہے ہم اس سلسلے میں حکومت اترپردیش کی توجہ مرکزی حکومت کے رواج اور ضابطہ کی طرف مبذول کراتے ہیں اور مانگ کرتے ہیں کہ آئندہ اس قسم کی پابندی سے احتراز کیا جائے۔

(راحت علی خاں آنریری جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، اترپردیش)

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر

مطبوعہ کربل کتھا سے متعلق چند معروضات

فضل علی خاں فضلی کی کربل کتھا کی تصنیف کو دو صدی سے زائد زمانہ ہوگیا۔ اس کتاب کا پہلی مرتبہ باقاعدہ تعارف مولوی کریم الدین پانی پتی نے ۱۸۴۷ء میں کرایا۔ پھر ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اس کا ایک نسخہ دریافت کرکے مالک رام صاحب کی شرکت و تعاون سے اکتوبر ۱۹۶۵ء میں ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ سے پہلی مرتبہ شائع کیا۔ اس کتاب کے زمانہ تصنیف سے متعلق مولانا محمد حسین آزاد کا یہ جملہ نہایت مقبول ہوا کہ

"محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۴۵ھ میں فضلی تخلص ایک بزرگ نے دہ مجلس لکھی"
(آب حیات)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف بہت بعد تک اس پر نظر ثانی ترمیم و اضافے کرتا رہا اور وہ متن جو مطبوعہ نسخے میں پیش کیا گیا ہے زیادہ سے زیادہ عالمگیر ثانی کے عہد میں (اور اگر زیادہ احتیاط سے کام لیں تو شاید آخر یا ان کے فوراً بعد) مکمل ہوا ہوگا۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث ایک الگ مضمون میں کی گئی ہے جو انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگا۔ فی الحال مطبوعہ کتاب سے متعلق چند امور کا ذکر کرنا مقصود ہے مقدمہ میں ہے:

"اس کتاب کے کسی دوسرے نسخے کا آج تک کہیں سے سراغ نہیں مل سکا"

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "نسخے" سے کیا مراد ہے؟ پوری کتاب (مطبوعہ یا مخطوطہ) ہو تو وہ مکمل نسخہ ہے۔ اگر شروع اور آخر کے چند اوراق (تعداد کی کوئی قید نہیں) ضائع ہو چکے ہوں تو نسخہ ناقص الطرفین ہوگا لیکن اگر صرف چند ورق ہوں تو ان کو اصطلاحی معنوں میں "نسخہ" کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ افادیت کے پیش نظر ان کو "نسخہ" کہنے میں ظاہرا کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

مرتبین کے بیان کے مطابق کریم الدین نے "طبقات الشعرائے ہند" میں کربل کتھا کا طویل اقتباس دیا ہے جو مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۳۰ سے لے کر ۴۸ تک چلا گیا ہے (مقدمہ ص ۱۳) اس نے اس کتاب سے ایک مرثیہ بھی نقل کیا ہے جو مطبوعہ کربل کتھا میں صفحہ ۱۶۳، ۱۶۴ پر درج ہے اس کے علاوہ کتاب کے بعض ایک آدھ دوسطری مضامین بھی تذکرے میں تحریر کیے ہیں۔ اصطلاح میں اس سب کو الگ نسخہ کہا جا سکے یا نہ کہا جا سکے لیکن متن کی تدوین کے سلسلے میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تدوین کے اصول کے مطابق متن سے متعلق ہر جملہ یا لفظ جہاں کہیں مل جائے اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ کربل کتھا کی تدوین کے سلسلے میں ان طویل اقتباسات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا اور ان سے متن کی تصحیح یا تعیین میں مطلق استفادہ نہیں کیا گیا۔

مخطوطہ سے متعلق مرتبین کے چند جملے یہ ہیں:

"پوری کتاب سیاہ روشنائی سے نستعلیق میں لکھی گئی ہے عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں اور .... ہر فصل کے شروع میں فضلی نے لامیہ اشعار کی ایک بیت درج کی ہے اور ان کی کتابت بھی انھیں دوسرے ادبیات سے ممتاز کرنے کے لئے سرخ روشنائی سے کی گئی ہے" (ص ۳۰)

"کہیں [فضلی نے اعراب بالحروف کے قاعدے سے پہلا الف فتح (کذا) کی جگہ لکھا ہے]" (ص ۲۷)

"فضلی کے زمانے میں اردو لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا .... یہی وجہ ہے کہ ہمیں کربل کتھا میں بسا اوقات ایک ہی لفظ مختلف طریقوں پر لکھا ملتا ہے" (ص ۳۰)

"حدیث کنت نبیا و آدم .... آدم پر الف لام فضلی کا اضافہ ہے" (ص، حاشیہ)

ان اقتباسات سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ مخطوطہ کی کتابت خود فضلی نے کی تھی یا کم از کم انھیں کے عہد میں ہوئی تھی۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن پر اس وقت تک یقین نہیں کیا جا سکتا جب تک کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو۔ کتاب میں کوئی خارجی شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے داخلی شہادت کے طور پر مخطوطہ کے املا، لفظوں کے تلفظ اور زبان و بیان کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے ان کی تحقیق سلسلہ وار درج ذیل ہے:

۱۔ بالعموم اشعار میں "کے" کی بجائے "کر" لکھا ہوا ملتا ہے۔
۲۔ پوری کتاب میں ہائے مخلوطہ کا استعمال کہیں نہیں ہوا "تجھ، مجھ ...... بہائی" وغیرہ لکھا ہے
۳۔ بعض اوقات الفاظ کو توڑ کر علیحدہ علیحدہ لکھا ہے مثلاً "بیٹھی" کی جگہ

حرمت الاکرام

معجزہ

کنوئیں کی تہ سے
اک سورج ابھر رہا ہے
چلو ذرا پاس چل کے دیکھیں
یہ سحر کیا ہے؟
کنوئیں کی تہ سے جواب آیا
یہ دور حاضر کا معجزہ ہے
خدا نے بھیجا ہے اک پیمبر
مگر وہ خود منکر خدا ہے۔

---

[1] طوالت کے خوف سے اس تحقیق میں مثالوں اور عبارت کے بعض جملوں کو حذف کر دیا گیا ہے لیکن اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مرتبین کے اصل الفاظ ہی نقل کئے جائیں

بیٹھ ق یا ڈھونڈھنے کی جگہ ڈھونڈنے .... جہاں الف الگ لکھے جانے چاہئیں وہاں اس نے ملا کر لکھ دئے ہیں جیسے علم کی کی جگہ علمی ...... لکھا ہے۔

۴۔ ک اور گ میں فرق نہیں کیا گیا۔

۵۔ یائے معروف اور یائے مجہول میں امتیاز نہیں ..... یہی حال ت اور ٹ کا ہے۔

۶۔ طوطی کو طوطا، خاندان کو خاندوان، پائشان کو پافشہ گان .... لکھا ہے۔

۷۔ اکثر جگہ اعراب با حروف ظاہر کئے گئے ہیں .... دیکھاوں (دکھاوں)، پوکارتا (پکارتا)، ایدھر (ادھر)، دوکھ (دکھ) وغیرہ (ص ۲۰۳ تا ۲۰۴)

۸۔ ہکار آوازوں میں تخفیف دکنی کا عام اصول ہے کربل کتھا میں بھی تیج، بچ، سانج بجائے سانجھ وغیرہ کی مثالیں ملتی ہیں۔

۹۔ دکنی میں نون غنہ کا استعمال بہت افراط سے ہوتا ہے کربل کتھا کی یہ مثالیں دیکھئے۔

دنیائے کوں کیا، تو نہیں ترس کر، اگر دودے توں

۱۰۔ دکنی میں جمع کی علامت "وں" یا "ں" کی جگہ "اں" اضافہ کرنے کا بھی رواج ملتا ہے۔ کربل کتھا میں اس کی مثالیں بھی دستیاب ہو جاتی ہیں مثلاً

حاضراں مجلس کبھی رو ہے

اودشاں بیں پالاں پر سوار

۱۱۔ بعض الفاظ کا تخفیف تلفظ .... سے ہے .... دکنی میں .... ذکر ترجیح دی جاتی ہے ...... کربل کتھا میں اس کی پیروی کی گئی ہے جیسے بھین کی جگہ بھیں، بڑھیا کی جگہ بڈھی (بوڑھیا)

۱۲۔ فارسی اور ہندی لفظوں کو ملا کر ایسی ترکیبیں بنائی ہیں جو آج ہمارے لئے بہت نامانوس ہیں اور ہم انہیں کسی عنوان سے قبول نہیں کر سکتے دو گھڑی شدہ، بھرو دکھ، جہاں کیسا تن دمن۔

۱۳۔ اضافی ترکیبوں ہی کا نہیں نقلی نے واو عاطفہ کا بھی بڑی آزادی سے استعمال کیا ہے گرد و گرد تھا

۱۴۔ نقلی کے زمانے میں اردو لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا ..... کربل کتھا میں بسا اوقات ایک ہی لفظ مختلف طریقوں پر لکھا ملتا ہے وہ، اوہو، اوہ، ہو، نو، پاؤں، جھوٹا، جھوٹھا، بعض الفاظ جو ..... بالاتفاق ص سے لکھتے ہیں کربل کتھا میں وہ ث سے لکھے ملتے ہیں

۱۵۔ کربل کتھا میں استعمال شدہ بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث سے متعلق بھی گفتگو ہو سکتی ہے جان (مذکر)، جان میرا قربان ہے۔ اگلی سطر میں اسے مونث بھی لکھا ہے، اپنی جان نثار، اسی طرح اصل، آیت، راہ کو مذکر لکھا ہے۔

۱۶۔ نقلی نے اس طریقے (یعنی الجھ جانے) کا بڑی فیاضی سے تتبع کیا ہے

امرایاں، اقرباواں (ص ۲۸ تا ۲۴۴)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اتنی طویل فہرست میں تحریر یا زبان و بیان کا کوئی ایک خصوصیت بھی ایسی نہیں جو انیسویں صدی ہجری کے وسط کی تحریروں میں نہ پائی جاتی ہو، تفصیل کی ضرورت نہیں ہے مجملاً ہر ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سکے کی بجائے سکہ، تحریر یا زبان و بیان کی کوئی قابل ذکر خصوصیت نہیں ہے اور اس کے برعکس صورت اکثر مخطوطات اور مطبوعات میں ملتی ہے غالب کا ایک شعر ہے۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

ہائے مخلوط کے محل استعمال کا تعین بہت بعد کی بات ہے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول تک تو یہ تعین ہو نہیں سکا تھا چنانچہ میر علی اوسط رشک نے اپنی لغت میں پچھر اور پیر پھل اور پیل کو ایک ہی طرح کی ہے۔ بعض بار بروزن خلل یعنی ابتدائی کور باشد (نفس اللغة ص ۱۲۲)

پھیر بازو میں ...... و بائی فارسی و ہائی ہوز ہر دو مفتوح بروزن سحر چہارم حصہ روز و شب (ایضاً ص ۱۳۰)

چنانچہ اسی سبب سے الفاظ کا املا متعین کرنے میں بھی رشک کو دقت ہوئی ہے ایک جگہ لکھتے ہیں،

پرنچیا ...... املای این لغت ہمین است، چہ اگر بائی ہوز بعد بائی فارسی نویسند بائی فارسی مخلوط الہا شود فتامل (ایضاً ص ۱۰۸)

میر رشک کے دیوان مطبوعہ (۱۲۷۳ھ) میں بعض الفاظ کا املا اس طرح ہے ٹوچیاتا، ابھوس، اکثیر، تنباکو، پردہائے (بجائے پردہ ہائے) ص نے (بجائے سینے) دو چہر (بجائے دو چہرہ)

اسی دیوان میں بعض شعروں کی کتابت اس طرح ہوئی ہے

کوئی قاتل میں یہ کیوں آئے یہ کہتا ہے | ہوتی دیکھی جو یاد کو تم تھی دیکھا
مژدہ رہا ہو سو جانیں فدا بلبل | جو دیکھی گل رخسار یار کی صورت
شہیدوں کی تربت ... تہ مرا جو زریا | میری خاطر کو دیا رشک فضا کی خاطر

رشک ہی کے دیوان سوم (مخطوطہ مکتوبہ کتابت تقریباً ۱۲۶۸ھ) میں بعض لفظ اس طرح تحریر ہیں:

بینچ (بجائے پیچ) اودکھیانا (بجائے دکھانا)، جھوٹھا بوڑھا، بھولانا، جس (بجائے جس سے) اور سیرت، دو دکھے، اٹھانا (بجائے اٹھا) وغیرہ، پردہ، شعلہ وغیرہ

ا۔ دیوان سوم میں املا اکثر وہی ہے جو مرتبین نے اپنے املا کے مطابق لکھا ہے، ان لفظوں میں ہائے مخلوط بھی ہے اور رائے ہندی وڈ بھی جن کے نہ ہونے کا اثر دور پہنچے گیا ہے۔

۲۔ مرزا دبیر بھی کہتے ہیں ؎ عباس کی خاطر سے ہیں کچھ نہیں یہ بات زینہؔ کو فرزند ملا کے سر پہ رکھوں بات

میرے پیش نظر اس وقت ناسخ کے دیوان دوم کا ایک مخطوطہ ہے جو غالباً انھیں کی زندگی میں لکھا گیا اس میں چند شعروں کی کتابت اس طرح ہوئی ہے:

ای برہمن جو سجدہ کروں میں تو عجب کیا — اوس بت کی آستانہ کا کعبہ ہی سنگ ہی

دو ساعت ہی نہیں ساعت دو ساعت — دیکھیں ایک گھڑی کی گئی ہیں ساری دنکو

چھوٹا پانی یار کا ہوا پلاتی او طبیب

کی شفا مقصود اپنی شربت عناب پر

ان تحریروں پر غور کریں تو اکثر وہ امور جو کربل کتھا کے مخطوطہ کی خصوصیات کے طور پر پیش کیے گئے تھے ان میں بھی ملیں گے۔

۳۔ بعض باتیں جو کربل کتھا کی خصوصیات کی ذیل میں بیان کی گئی ہیں کچھ بہت اہم نہیں ہیں مثلاً جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی ہم اگر یہ جملہ اسی طرح بولیں حاضران مجلس بھی رو دے تو بہت زیادہ قابل اعتراض نہ ہوگا ذوق کا ایک شعر بھی یہاں قابل لحاظ ہے ؎

ہیں بتاں محو خود نمائی میں

ورنہ ہے پردہ خدائی میں

۴۔ علمائے لسانیات کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پنجاب اور اس کے جوار میں ڈ کے مقابلے میں حرف ڑ کا استعمال زیادہ ہے لیکن اس کی مثال ہمیں میر رشک کلید ناسخ کے دیوان سے بھی مل جاتی ہے

اپنی زمین شعر و غزل

میں گڈھی نہیں دنظم

مبارک مطبوعہ ۱۲۶۳)

= گڑھے

طالب دولت جو ہو ڈبا

ہو گیا دیوان سوم

مخطوطہ گورکھپور، بوڑھا

۵۔ عربی ہندی، فارسی ہندی، فارسی انگریزی الفاظ میں ترکیب دینے کا سلسلہ آج تک جاری ہے لفظی نے اس نوعیت کی جو ترکیبیں استعمال کی ہیں وہ نامانوس اور نامناسب ہوں تو ہوں لیکن ایسی ترکیبیں ہمیشہ مسترد نہیں کی گئی ہیں مثال کے طور پر اشعار ذیل ملاحظہ کریں:

کیوں نہ ہر تار میں دل ہو وے گرفتار رزلف — جیل خانہ ہے مجرت گنہگاروں کا

(ذوق)

مسی آلودہ لب پر رنگ پان ہے — تماشا ہے آتش دھواں ہے

(ناسخ)

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے

کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

(غالب)

جھوٹ ہے سچ ہے کہ بیڑا پار ہوتا ہی نہیں

کثرت بہتاں سے نادم طوفانی ہوئی

(رشک)

اسی طرح سمجھدار، ڈاکخانہ، پاندان، فوق الجھڑک، الب مرگی، تعیناتی وغیرہ الفاظ قواعد اصول کے مطابق غلط ہونے کے باوجود رواج پا چکے ہیں اور ان کا استعمال عام ہے۔

۶۔ الفاظ کے مختلف املا کے سلسلے میں بھی یہ شعر قابل لحاظ ہیں:

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے

یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

(غالب)

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤ

رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤ

(غالب)

قتل کرتا ہے ترا بسمل سے یہ کہتا کہ تو

اب تو دامن بھی ہوا تو بہتر اچھا ہوا

(ذوق)

ثانی الذکر مطلع جس غزل کا ہے غالب کے دیوان میں وہ ردیف واو ہی کے تحت لکھی ہے (ملاحظہ ہو طاہر ایڈیشن)

قول آہ شرر افشاں ہے کہ شعلہ کیا ہے

آنکھیں کبتی ہیں دم گریہ کہ دریا کیا ہے

(رشک)

۷۔ تذکیر و تانیث کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عہد ناسخ و آتش تک اس کے اصول و ضوابط منضبط نہیں ہوئے تھے کہا جاتا ہے کہ ناسخ نے زبان و بیان کے قواعد مرتب کئے تھے لیکن اصل یہ ہے

جاوید وششٹ

غالب صدی میں اُردو

اک تماشا "خلش جلوۂ خوں ریز" سہی

دے "تماشائی نیرنگ تمنا" جاوید!

چشم ہر رنگ میں وا ہونے کی باقی ہے سزا

وہ سخ نومیدی جاوید صدی غالب کی

"آئینہ داری یک دیدۂ حیراں" وہ بھی

چشم اردو سے چھلکتا ہے بہاروں کا غرور

دشت وہ آن پڑا ہے تری اردو پہ اسدؔ!

"دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں"

"شکوہ سمجھا اسے یا کوئی شکایت سمجھا"

نام اردو تو ہے دستور میں بھارت کے مگر

کوئی پردیش، علاقہ کوئی اردو کو ملا؟

کیا ضرورت ہے اسے یہ تو ہے اک ابر بلا

تنگ نظروں نے محبت کی زباں کو تا کا

زہر بھر فرقہ پرستی کا فضا میں گھولا

غنت جاں اردو ہے غالب کی چہیتی اردو

سارے بھارت میں ہر اک سمت چلیں اس لئے

آج اردو ہے سیاست کی مگر صید زبوں

حق کی آواز کبھی قتل نہیں ہو سکتی!

بزم جمہور کا آغوش، مقام اردو!

عزم جمہور کی مشعل ہے فروزاں تا دور

آج اردو کسی دربار کی زینت کیوں ہو

اور کیا عرض کریں اہل جنوں اردو کے

"ہم ہیں مشتاق جفا، ہم پہ جفا اور سہی

تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی"

کہ ناسخ نے صرف تحریک کی تھی اصل کام تلامذہ ناسخ اور پھر ان تلامذہ کے تلامذہ نے کیا تھا چنانچہ ناسخ کے عہد تک ایک ہی لفظ کا مذکر و مونث دونوں طرح استعمال مل سکتا ہے مثلاً بلبل کے لئے ناسخ کے یہ دو شعر دیکھئے۔

مذکر

میرے ہر کنج چمن کرتے ہو تم غیر کے ساتھ بلبل دل مجھے اے جان خبر دیتا ہے

مونث

اپنی آغاز محبت کا خیال آتا ہے دیکھتا ہوں کوئی بلبل جو گرفتار نئی

اسی طرح لفظ آب (معنی چمک) متفقہ طور پر مونث ہے لیکن خواجہ آتش کہتے ہیں۔

نشہ ہی میں یا الٰہی میکشوں کو موت دے
کیا گہر کی قدر جب آب گہر جاتا رہا

گفتگو کا ماحصل یہ کہ اگر وہی خصوصیات کربل کتھا کے مخطوطہ کی ہیں جو بیان کی گئیں تو اسے زیادہ سے زیادہ عہد ناسخ و رشک کا مکتوبہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ مخطوطہ کی تحریر اور کتاب کی زبان و بیان میں زیادہ تفصیلی تجزیہ کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

مرتبین نے کتاب کے حواشی لکھنے میں غیر معمولی محنت کی ہے یہ محنت ہر طرح قابل ستائش ہے مشکل اور نامانوس الفاظ کے نہ صرف معنی لکھے ہیں بلکہ اس کے لئے مختلف شعراء اور نثر نگاروں کے اشعار اور دوسری تحریروں سے سند بھی پیش کی ہیں اس سلسلے میں جو نام سامنے آئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

ناسخ، ذوق، غالب، جان صاحب، خواجہ وزیر، رجب علی بیگ سرور، انیس، داغ، محسن کاکوروی، قلق، مخبر شاگرد دبیر، امیر و جلیل۔

کربل کتھا کے نامانوس اور مشکل الفاظ کے لئے انیسویں صدی کے وسط کے شعرا کے کلام سے سند کا مل جانا ہے خود قابل لحاظ بات ہے اس نکتہ سے سرسری گزر جانا مناسب نہیں۔

کربل کتھا کے مخطوطہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے مرتبین نے کاتب کے متعلق لکھا ہے:

"کاتب بہت کم سواد ہے قرآنی آیات تک غلط لکھی ہیں۔ متعدد مقامات پر قرآنی املا کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے" (ص ۳۳)

لیکن اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے:

"اس کا بھی امکان ہے کہ عربی کی اس قسم کی غلطیاں کاتب کی نہ ہوں بلکہ ان کے لئے مصنف ذمہ دار ہو"

یہ ٹھیک ہے کہ محقق کو ہر امکانی پہلو پر نگاہ رکھنی واجب ہے نقل کے متعلق اتنی بات یقینی ہے کہ وہ اپنی کتاب کی تصحیح کا کام میں برابر مصروف رہے۔ پھر قرآن پاک کی آیات کی صحت کے ساتھ نقل کر لینے میں کچھ دقت نہ تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر فضلی سے بالفرض سہو ہو جاتا تو ان کے سامعین اس کی طرف انھیں توجہ دلا سکتے تھے۔ بہ ظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ کم از کم آیات قرآنی کا غلط لکھنا کاتب ہی کی کم سوادی اور بے توجہی کا نتیجہ ہے اور اگر یہ قیاس صحیح ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ نسخہ فضلی کی نگاہ سے نہیں گزرا تھا یعنی اس مخطوطہ کی کتابت عہد فضلی کے بعد کی بات ہے۔ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس "کم سواد" کاتب نے اپنی کم سوادی کے نتیجے کے طور پر کربل کتھا کے اصل متن میں اور کیسے کیسے گل کھلائے ہوں گے۔

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔ ادارہ

ڈاکٹر ابو محمد سحر

نسخۂ بھوپال اور ڈاکٹر سید عبداللطیف

نسخۂ بھوپال دیوانِ غالب (قلمی) کی گم شدگی کی وجہ سے وہ تحریریں خاص اہمیت اختیار کر گئی ہیں جن میں اس مخطوطے کی چشم دید کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں پہلا اہم بیان نسخۂ حمیدیہ کی تمہید میں مفتی محمد انوار الحق کا ملتا ہے۔ اس کے اختصار اور تشنگی کی بہت کچھ تلافی مولانا امتیاز علی عرشی کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے دیباچے کا ایک جزو ہے۔ نسخۂ بھوپال کے متعلق نتائج اخذ کرنے میں عموماً یہی دو تحریریں زیرِ بحث آتی ہیں۔ مفتی انوار الحق کے مقابلے میں مولانا امتیاز علی عرشی نے قلمی نسخے کی حالت کے بیان میں زیادہ پہلوؤں کا لحاظ رکھا ہے مگر جو پہلو دونوں حضرات نے لیے ہیں ان میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ اس کی کتابت اور کیفیت کے باب میں مولانا امتیاز علی عرشی نے جو مختلف نتائج پیش کیے ہیں ان میں بھی صرف مفتی انوار الحق کے قیاسات زیرِ بحث آئے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللطیف کی کتاب "غالب" سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوانِ غالب کی تاریخ وار ترتیب کے دوران نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کی سفارش پر یہ قلمی نسخہ انھیں بھوپال سے حیدرآباد بھیج دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے اس کے نہایت مختصر ضمنی تذکرے میں نواب فوجدار محمد خاں کی ان مہروں کا ناپ درج کیا ہے جو اس پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس کے اول و آخر کے سادہ صفحات اور اصل صفحات کے کاغذ کے فرق کے پیشِ نظر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اول و آخر کے صفحات بعد کے لگائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کی ندرت کا ذکر میں نے اپنے مضمون "دیوانِ غالب کا ایک اہم گم شدہ مخطوطہ، نسخۂ بھوپال" مطبوعہ نیا دور، لکھنؤ، غالب نمبر ۱۹۶۹ء میں کیا ہے، کیونکہ مہروں کا ناپ تو کسی نے درج ہی نہیں کیا اور مولانا عرشی نے بھی کاغذ کے مذکورہ فرق کو دوسرے الفاظ میں بیان کرنے کے باوجود یہ بات نہیں تحریر کی کہ اس مخطوطے کے اول و آخر کے صفحات بعد کے لگائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ موخر الذکر شہادت سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اصل مخطوطے کے بعض صفحات پر نواب فوجدار محمد خاں کی ۱۲۴۸ھ کی چھوٹی مہر کے برخلاف شروع کے سادہ صفحات پر ان کی ۱۲۶۱ھ کی بڑی مہر ان کے ذاتی کتب خانے کی باقاعدہ تشکیل یا تشکیلِ نو سے متعلق تھی۔

"غالب" کے ایک حاشیے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نسخۂ بھوپال پر ڈاکٹر عبداللطیف نے انگریزی میں ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا جو مسلم ریویو، کلکتہ بابت ۱۹۲۹ء میں چھپا تھا اور اس کا اردو ترجمہ سید محمد صاحب نے مجلۂ مکتبہ، حیدرآباد جلد ۲ شمارہ ۶ میں شائع کرایا تھا۔ ڈاکٹر عبداللطیف کا انگریزی مضمون تو مجھے نہیں مل سکا مگر جناب محمد اکبر الدین صدیقی کی عنایت سے سید محمد صاحب کے ترجمے کی نقل دستیاب ہو گئی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ نسخۂ بھوپال کے بارے میں یہ اہم مضمون مطبوعہ ہونے کے باوجود پردۂ خفا میں پڑا ہوا ہے۔

مجلۂ مکتبہ میں ڈاکٹر عبداللطیف کے مضمون سے قبل دو نوٹ ہیں۔ پہلا نوٹ مجلۂ مکتبہ کا ہے اور دوسرا سید محمد صاحب کا۔ دونوں سے اس ردِعمل کا اندازہ ہوتا ہے جو نسخۂ حمیدیہ خصوصاً ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے مقدمے کی اشاعت سے اس وقت بعض ادبی حلقوں میں پیدا ہوا تھا۔ مجلۂ مکتبہ کے نوٹ کے آخری پارے میں غالب کے ایک قلمی دیوان کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

> "ہمارے ایک محترم دوست نے ہم سے بیان کیا کہ غالب نے اپنے دکنی شاگرد مولوی حبیب اللہ ذکا کے پاس تحفتہً اپنا اردو دیوان بھیجا تھا۔ شاگرد نے اس کا انتخاب کر کے فارسی میں دیباچہ بھی لکھا ہے۔ یہ دیوان ان کے پاس آیا اور انھوں نے نسخۂ حمیدیہ سے مقابلہ بھی کیا۔ بعض بعض ردیفوں میں کئی کئی غزلیں زائد ہیں۔ اب ان کے پاس سے دیوان واپس ہو گیا ہے۔ ہمارے اصرار پر بھی منگوانے کی کوشش میں ہیں۔ اگر یہ دیوان ہمارے قبضے میں آ جائے تو ممکن ہے کہ کچھ اور بھی حقیقت کھل جائے۔"
>
> (مجلۂ مکتبہ ص ۵۴)

سید محمد صاحب کے نوٹ کے مطابق ڈاکٹر عبداللطیف کا مضمون کلکتہ کے انگریزی سہ ماہی مسلم ریویو بابت جنوری ۱۹۲۹ء سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف نے جب نسخۂ بھوپال کو دیکھا تو یہ بڑی خستہ حالت میں تھا۔ انھوں نے اس کے متن کا حجم ۱۱۵ اوراق بتایا ہے جس کا اظہار نہ مفتی انوار الحق نے کیا ہے اور نہ مولانا عرشی نے۔ غزلوں کی مجموعی تعداد انھوں نے ۲۷۶ لکھی ہے جبکہ مفتی انوار الحق نے کل تعداد ۲۷۵ درج کی ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے اپنے مضمون میں غالباً سب سے پہلے مفتی انوار الحق کے ان قیاسات کی تردید کی ہے کہ یہ مخطوطہ نواب فوجدار محمد خاں کے لیے لکھا گیا تھا اور بعد کے کلام کے اضافے کے لیے وقتاً فوقتاً غالب کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس حد تک مولانا امتیاز علی عرشی بھی دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے دیباچے میں ان کے ہم خیال ہیں مگر مفتی انوار الحق اور مولانا عرشی کی صراحتوں کے برعکس

ڈاکٹر عبداللطیف نے اس کو بالکل غلط قرار دیا ہے کہ اس نسخے کی اصلاحیں اور اضافے غالب کے خط میں تھے۔ ان کی تحقیق کی رو سے یہی نہیں کہ یہ غالب کے خط میں نہ تھے بلکہ دو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے تھے۔

مولانا عرشی نے اس نسخے پر عبدالعلی اور عبدالصمد مظہر کے دستخطوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ میں نے اپنے مضمون مطبوعہ نیا دور (غالب نمبر) میں ان دونوں اصحاب کا تعلق بعد کے زمانے سے ظاہر کیا ہے اور اس بنا پر مولانا عرشی کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ یہ نسخہ ان دونوں کے پاس ہوتا ہوا نواب فوجدار محمد خاں کے کتب خانہ میں پہنچا تھا۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے عبدالصمد مظہر کا ذکر نہیں کیا مگر انھوں نے اس سلسلے میں عبدالعلی کے ساتھ ایک نیا نام محمد حسین کا تحریر کیا ہے۔ ان کے مطابق اس نسخے کی بعض اضافہ شدہ غزلیں ایک صاف نستعلیق خط میں تھیں جس میں عبدالعلی کا نام لکھا ہوا تھا اور شکستہ خط کی غزلیں محمد حسین کے دستخط سے بہت مشابہ تھیں۔ انھوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ دونوں اصحاب میاں فوجدار محمد خاں کے (آ) سیتی یا دلدادگان رہے ہوں گے جنھوں نے تازہ غزلیں وقتاً فوقتاً یا غالب کے ۱۲۴۸ھ کے منتخب (نسخۂ اول) دیوان کے کسی نسخے سے نقل کی ہوں گی۔

چونکہ ڈاکٹر عبداللطیف کے اس مختصر مضمون سے نسخۂ بھوپال کے بارے میں کچھ ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن سے محققین کلام غالب نے اب تک استفادہ نہیں کیا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مزید بحث و تمحیص کے بجائے اسے یہاں من و عن درج کر دیا جائے۔

"دیوان غالب قلمی ۱۲۳۷ ہجری

مترجمہ جناب سید محمد صاحب ایم۔اے مددگار سٹی کالج

راقم الحروف جن دنوں غالب کی اردو نظموں کو تاریخی سلسلے سے ترتیب دے رہا تھا مرزا غالب کے اس مخطوطہ دیوان کو دیکھنے کا موقع ملا جو ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) کا لکھا ہوا تھا اور حکومت بھوپال کی عنایت سے مجھے مستعار ملا تھا۔[۱] جس وقت یہ دیوان قلمی ہوا مرزا کی عمر (۲۴) برس کی تھی اور اگر ہم یہ باور کر لیں کہ مرزا نے (۱۵) برس کے سن سے ریختہ یا اردو غزل گوئی شروع کی تو اس مخطوطہ دیوان میں ان کی شاعرانہ زندگی کے دس برس کا سرمایہ مندرج ہونا چاہئے۔[۲]

یہ قلمی دیوان ریاست بھوپال کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ میں اس عنایت پر کہ یہ نسخہ میرے مطالعے کے لئے حیدرآباد بھیجا گیا اظہار امتنان کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس کو اچھی حالت میں نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کی جلد اس قدر فرسودہ ہو گئی ہے کہ اوراق نہایت آسانی سے علیحدہ کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی موجودہ جلد صرف یہ بتاتی ہے کہ کبھی یہ مجلد تھا۔

مفتی انوار الحق صاحب ساکن بھوپال کا جنھوں نے کلام غالب کے ایک جامع ایڈیشن میں اس نسخے کی تمام نظمیں شریک کر لی ہیں یہ بیان ہے کہ یہ نسخہ ابتداً میاں فوجدار محمد خاں رئیس بھوپال کے لئے لکھا گیا تھا۔ یہ بیان بہ ظاہر مندرجہ ذیل عبارت پر مبنی ہے جو ایک سادہ ورق پر کہ بے متن کے آغاز میں جلد بندی کے کچھ دن بعد لکھی گئی ہے۔

"دیوان ہذا من تصنیف مرزا نوشہ دہلوی المتخلص بہ اسد از کتب خانۂ سرکار فیض آثار عالی جاہ عالم پناہ میاں فوجدار محمد خاں بہادر دام اقبالہٗ قلمی خوشخط۔"

اس عبارت کے بالمقابل ایک اور محققہ ورق پر میاں فوجدار محمد خاں کی مہر مورخہ ۱۲۶۱ھ ثبت ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات اخذ کی جا سکتی ہے یہ ہے کہ یہ قلمی نسخہ ۱۲۶۱ھ میں میاں فوجدار محمد خاں کے کتب خانے میں موجود تھا۔ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ نسخہ اس تاریخ سے کوئی (۲۴) برس پہلے ان کے لئے قلمی ہوا تھا۔

نسخہ کا متن (۷۵) اوراق (۱۵۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اس کے ہر دو جانب چار چار ورق اسی قسم کے کاغذ کے جو متن کا ہے اور ہندوستان ہی میں ہاتھ کا بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے موجود ہیں ان چار چار ورقوں کے علاوہ ہر ایک جانب دو دو ورق انگریزی کاغذ کے ہیں۔ ابتدا میں یہ ورق اوراق ۲ اور ۳ کے درمیان اور آخر میں اوراق ۲ اور ۳ کے درمیان ہیں۔ متن کے ہر صفحہ پر (۱۰) سے (۱۱) تک ابیات صاف نستعلیق خط اور چینی روشنائی میں لکھی گئی ہیں۔ سب سے پہلے چار قصیدے ہیں پھر غزلیات ہیں جن کی تعداد (۲۷۶) ہے آخر میں (۱۱) رباعیات درج ہیں۔ قصیدوں اور غزلوں کے لئے علحدہ علیحدہ لوحیں ہیں جو سنہری کام سے مزین ہیں۔ سارا متن طلائی سنہری حاشیہ کے خطوط سے آراستہ ہے۔ متن کے آخر میں کاتب نے اپنا اختتامی نوشتہ اس طرح لکھا ہے۔

"دیوان من تصنیف مرزا صاحب و قبلہ المتخلص بہ اسد و غالب سلمہم ربہم علی ید العبد المذنب حافظ معین الدین بتاریخ شہر صفر المظفر ۱۲۳۷ من الہجرۃ"

[۱] یہ دیوان زیر طبع ہے عنقریب شائع ہوگا۔

[۲] غالب از مولوی سید عبداللطیف حیدرآباد دکن ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۲ نیز نسخۂ حمیدیہ ص ۵ یادگار غالب کریمی پریس لاہور ۱۹۴۷ء ص ۹۷، ۹۸

نسخۂ حمیدیہ

التسوید بصورت انجام یافت۔

متن کا حاشیہ گوناگوں اصلاحوں اور اضافوں سے مملو ہے بعض جگہوں پر نئی غزلیں جو متن میں شریک نہیں درج کی گئی ہیں۔ چند جگہوں پر کئی غزلیں متن سے دوبارہ نقل کی گئی ہیں۔ حاشیے کی تحریریں بعض خوشنما نستعلیق خط میں ہیں اور بعض شکستہ خط میں۔ حاشیہ پر متعدد جگہوں پر فوجدار محمد خاں کی ایک چھوٹی مہر مورخہ ۱۲۴۸ھ (۲½ سم × ۱½ سم) ثبت ہے۔

متن کے ورق سے پہلے سادہ ۱۰ اوراق ہیں۔ ورق ۱ الف کے بائیں گوشے کے سرے پر "۶۰" درج ہے۔ اس سے ایک ورق نیچے سرخی سے ۱۱/اوراق اور پھر کچھ نیچے ۷۷ اور اس کے قریب ہی شکستہ خط میں (محمد حسین) لکھا ہوا ہے۔ اوراق ۱ ب، ۲ الف اور ۲ ب خالی ہیں۔

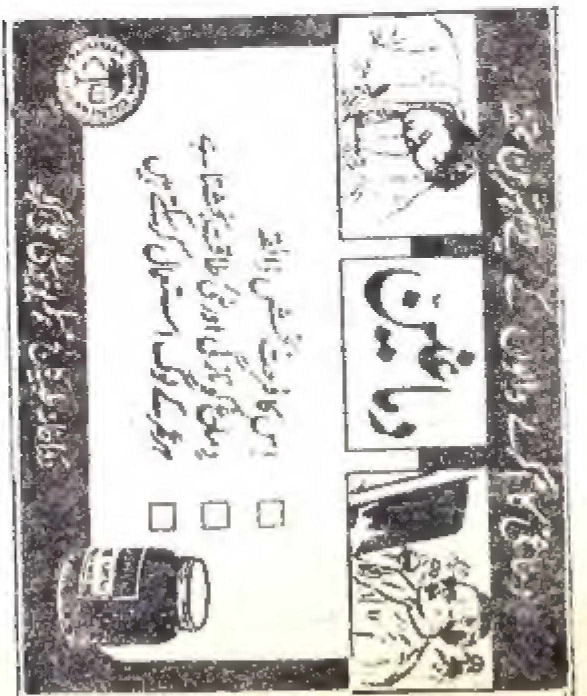
ورق ۳ الف پر غالب کا ایک مکتوب (؟) بے نقط فارسی میں کسی قدر ناصاف شکستہ خط میں درج ہے۔ یہ مکتوب ورق ۳ الف پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ورق ۳ ب تک مسلسل ہے اور وہاں محمد اسد اللہ کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔ یہاں نام میں حرف "د" کا اضافہ قابل غور ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اوراق ۳ و ۴ کے درمیان دو ملحقہ ورق ہیں۔ یہ جلد کے مستقل ورقوں سے چسپاں کر دئے گئے ہیں یہ ورق کب شریک کئے گئے اور کس نے شریک کئے معلوم نہیں ہو سکتا۔ ان ورقوں میں سے جو ۳ک اور ۳خ کہلائے جا سکتے ہیں ۳ک الف اور ۳خ ب بالکل خالی ہیں ۳ک ب پر صاف نستعلیق خط میں وہ عبارت درج ہے جو ہم نے ابتدا ہی میں نقل کی ہے۔

ورق ۴ الف پر فوجدار محمد خاں کی بڑی مہر (۲.۵ سم × ۲.۵ سم) ثبت ہے اور انگریزی کے بیچنے کاغذ سے محفوظ کی گئی ہے۔ یہی مہر آخر کے ملحقہ ورقوں میں سے ایک پر بھی ثبت ہے۔ متن کے بعد جو چار سادہ ورق شریک ہیں ان پر غالب کی کئی غزلیں جو متن میں شریک نہیں درج کی گئی ہیں اور ان کے اختتام پر کاتب نے اسی طور پر بتایا ہے کہ اس کا کام انجام کو پہنچی۔

نسخۂ حمیدیہ کے مدیر مفتی انوار الحق صاحب کا استدلال ہے کہ یہ نسخہ وقتاً فوقتاً غالب کے ہاں ان غزلوں کے اندراج کے لئے روانہ کیا جاتا تھا جو ۱۲۳۷ھ کے بعد لکھی گئی ہیں۔ مگر مفتی صاحب اس استدلال کے لئے کوئی سند اور ثبوت پیش نہیں کرتے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حاشیے کے اضافے اور اصلاحیں خود مرزا غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ راقم الحروف نے سرکار عالی کے محکمۂ اسنادات تاریخی میں ماہرین کی مدد سے نہایت احتیاط کے ساتھ ان کی تنقیح کی اور غالب کے اصلی خطوط سے مقابلہ کیا اور ان اصلاحوں اور اضافوں کو اصل خطوط سے ذرا بھی مشابہ نہیں پایا۔ علاوہ ازیں جگہ جگہ املا کی سخت غلطیاں ہیں یہ اغلاط غالب جیسے محتاط مصنف سے کسی طرح منسوب نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے سوا کاتب نے حاشیے پر غزلیں نقل کرتے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ دوسری غزلوں کی بیتوں اور مصرعوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ کئی غزلیں باوجود متن میں مندرج ہونے کے ایک سے زیادہ مرتبہ نقل کی گئی ہیں نیز کئی ابیات کے آگے غلط انداز رائیں بھی درج ہیں۔

ان واقعات کے پیش نظر راقم ہرگز اس نظریہ کو باور کرنے کو تیار نہیں جو نسخۂ حمیدیہ کے مدیر نے قائم کیا ہے۔ حاشیے کے اضافے یقیناً غالب کے خط میں نہیں بلکہ یہ دو مختلف ہاتھوں کے ہیں بعض غزلوں کے آخر میں جو صاف نستعلیق خط میں ہیں اسی خط میں عبد العلی کا نام لکھا ہوا ہے۔ شکستہ خط کی غزلیں محمد حسین کے دستخط سے جو ابتدائی سادہ ورق ۱ الف پر ثبت ہے بہت ہی مشابہ ہیں۔ یہ دونوں کون تھے معلوم نہیں۔ شاید میاں فوجدار محمد خاں کے اتالیق یا ادبی مددگار ہوں گے جنہوں نے غالب کی تازہ غزلیں جیسے ہی وقتاً فوقتاً ملتی گئیں حاشیہ پر درج کر دیں۔ یہ یقینی ہے کہ ۱۲۴۸ھ میں جو فوجدار محمد خاں کی چھوٹی مہر کا سنہ ہے، غالب نے اپنی غزلیات کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اس پر فارسی میں دیباچہ بھی لکھا ہے۔ یہ ناممکن نہیں اگر حاشیہ کی غزلیں اسی انتخاب مرتبہ ۱۲۴۸ھ کے کسی نسخے سے نقل کی گئی ہوں۔"

(مجلہ مکتبہ حیدرآباد جلد ۲ شمارہ ۶۵ ص ۱۰۵ تا ۱۵۲)



مراسلات

دیوان غالب کا نادر مخطوطہ امروہہ

امروہہ ضلع مراد آباد کے توفیق احمد صاحب کے پاس غالب کا جو قلمی دیوان ہے اس کے متعلق سب سے پہلے انڈین ایکسپریس دہلی میں خبر نظر سے گزری لیکن چونکہ اب سے کم و بیش چالیس برس قبل مولانا آسی مرحوم مکمل شرح دیوان غالب میں الحاقی کلام غالب سے منسوب فرما چکے تھے بنا بریں میں نے ان ایک ہزار غزلوں کو غالب کی غزلیات سمجھنے میں تامل سے کام لیا جن کا انڈین ایکسپریس میں ذکر تھا لیکن اب جبکہ ۲۳ اپریل ۱۹۷۹ء کے ہفتہ وار اخبار ہماری زبان کے صفحہ ۲ پر ادیب شہیر جناب نثار احمد فاروقی کے یہ الفاظ نظر سے گزرے کہ میں نے یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ غالب ہی کے قلم سے ہے تو میرا سوئے ظن اشتیاق میں بدل گیا اور چونکہ غم روزگار کی وجہ سے غالب کا کوئی ایسا قدردان نظر نہیں آتا جو نواب حمید اللہ خاں مرحوم کی طرح امروہے کے اس مخطوطے کی اشاعت کے بار کو تنہا برداشت کر سکے لہٰذا جناب نثار احمد صاحب فاروقی کے الفاظ میں توفیق احمد صاحب کو مناسب معاوضہ ادا کرنے کے لئے کسی انجمن کو آمادہ ہونا چاہئے اور غالب اکاڈمی یا انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے دسمبر ۱۹۷۹ء تک غالب کی صد سالہ برسی کی اہم ترین کتاب یعنی امروہے کے اس مخطوطے کو شائع ہو جانا چاہئے۔ (محمد عباس طالب صفوی)

خوشتر بلگرامی کے پتہ کی ضرورت

ہماری زبان مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء میں بدر افتخار فاروقی صاحب بلند شہر کا ایک مضمون بعنوان "ایک قلمی بیاض" شائع ہوا ہے اس میں موصوف نے ایک ایسے مجموعے کا تعارف کرایا ہے جس میں غالب کے شاگردوں کے خطوط جو غالب کے نام لکھے گئے تھے نقل ہوئے ہیں۔ یہ مجموعہ فاروقی صاحب کو پروفیسر خوشتر بلگرامی حیدرآباد کے کتب خانے سے ملا تھا۔ خوشتر صاحب کے تعارف میں فاروقی صاحب لکھتے ہیں۔

"پروفیسر خوشتر بلگرامی حیدرآباد کے ایک ممتاز اور ذی وقار خاندان کے فرد ہیں ...... تعلیم و تعلم میں عمر کے پچاس سال گزارے ہیں ...... آپ کے کتب خانے میں ہر زبان کی بیش بہا کتب موجود ہیں۔ قلمی مسودے انتہائی احتیاط سے رکھتے ہیں۔"

میں نے کئی بار فاروقی صاحب سے درخواست کی کہ مجھے جناب خوشتر بلگرامی حیدرآباد کے پتے سے مطلع فرمائیں مگر موصوف نے اپنی مصلحتوں کی وجہ سے پتا نہ بتایا۔ اگر یہ مراسلہ خوشتر صاحب کی نظر سے گزرے تو وہ اپنے پتے سے مطلع فرمائیں یا کسی دوسرے حیدرآبادی کرم فرما کو پتا معلوم ہو تو مطلع فرمائیں میں مذکورہ مجموعہ خطوط سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے فاروقی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ انھوں نے اس مجموعے کی مکمل نقل حاصل کر لی ہے۔ اگر وہ فدوی طالب علم کو نوازیں تو کرم ہوگا۔

(اکبر علی خاں رضا لائبریری رامپور)

اردو امریکن رپورٹر

امریکن رپورٹر ہندوستان کی آٹھ زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کی اشاعت اردو میں نہیں ہوتی جب کہ ہندوستان میں اردو داں طبقے کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

"ادارہ فروغ اردو" شب پور ہوڑہ نے امریکہ کے محکمہ اطلاعات سے اس سلسلے میں خط و کتابت کی تھی اس کے جواب میں مدیر امریکن رپورٹر نے لکھا تھا کہ آپ نے ایک اہم زبان کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ ہم اس کے لئے شکر گزار ہیں لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اس سال کا بجٹ پاس ہو گیا ہے لہٰذا اردو کی اشاعت سے ہم فی الحال معذرت خواہ ہیں۔

اس ضمن میں تمام اداروں اور اردو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات "اردو امریکن رپورٹر" کے لئے اس کے مدیر کے پاس اپنے تاثرات لکھ کر روانہ کریں ان کا پتہ درج ذیل ہے۔

مدیر "امریکن رپورٹر" بہاولپور ہاؤس۔ سکندرا روڈ
نئی دہلی-۱

(ایم۔ اے۔ قاسم ملک، سکریٹری)

اردو گھر فنڈ

یکم اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳۰ اپریل ۱۹۶۹ء

نمبر شمار	نام و مقام معطی	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل	وصولی کیفیت
۱	جناب سکریٹری صاحب پشتی مبارک چراغ اردو ہال حیدرآباد	۵۰۰---۰۰	منی آرڈر	خود
۲	محترمہ پرنسپل صاحبہ ویمنس کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۹---۰۰	نقد	
۳	جناب نواب ابن سعید خاں صاحب چھتاری	۲۵۰---۰۰	چیک	خود
۴	جناب ڈاکٹر ابو محمد سحر حمیدیہ کالج بھوپال	۲۵---۰۰	منی آرڈر	″
۵	جناب سید ناصر المسیح علیگ سلام ڈاکخانہ نگڈی	۷---۰۰	″	″
۶	جناب ایم۔ اے صدیقی پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج نجیب آباد ضلع بجنور	۵۰---۰۰	چیک	
۷	جناب عبدالقیوم صاحب سابق ناظم دارالطبع حیدرآباد	۱۰۰	منی آرڈر	
۸	جناب سید صادق حسن رضوی متعلم لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۹	جناب سید شبیر حسن وکیل لکھنؤ	۱---۰۰		
۱۰	محترمہ نزہت فاطمہ متعلم لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۱۱	محترمہ انجمن افروز متعلم لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۱۲	محترمہ راشدہ عصمت متعلم لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۱۳	جناب عبدالرب عرفانی ″	۱---۰۰		
۱۴	محترمہ سعیدہ بانو ″	۱---۰۰		
۱۵	جناب سید اخلاق حسین لکھنؤ	۱---۰۰		
۱۶	محترمہ حسن بانو اخلاق متعلم لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۱۷	محترمہ بیگم شجاعت علی سندیلوی لکھنؤ	۱---۰۰		
۱۸	محترمہ پروین شجاعت لکھنؤ	۱---۰۰		
۱۹	محترمہ شہلا شجاعت ″	۱---۰۰		
۲۰	جناب محمد منظر الاسلام ″	۱---۰۰		
۲۱	جناب پرویز شجاعت ″	۱---۰۰		
۲۲	جناب شفقت حسین لکھنؤ	۱---۰۰		
۲۳	″ مظہر الدین خاں ″	۱---۰۰		
۲۴	″ ابو محمد پرنسپل ممتاز ہائر سکنڈری اسکول لکھنؤ	۱---۰۰		
۲۵	محترمہ بیگم ابو محمد ″ ″	۱---۰۰		
۲۶	″ ڈاکٹر صاحب علی صدیقی شی ہائر سکنڈری اسکول	۱---۰۰		
۲۷	محترمہ بیگم ڈاکٹر صاحب علی	۱---۰۰		
۲۸	جناب محمد عثمان لکھنؤ یونیورسٹی	۱---۰۰		
۲۹	″ اشرف حسین ″ ″	۱---۰۰		
۳۰	″ سعد الدین ″ ″	۱---۰۰		
۳۱	″ سید حبیب اکبر ″ ″	۱---۰۰		
۳۲	″ محمد نسیم وارثی ″ ″	۱---۰۰		
۳۳	″ محمد یونس ″ ″	۱---۰۰		
۳۴	″ سید قاسم مہدی ″ ″	۱---۰۰		
۳۵	″ محمد خالد ″ ″	۱---۰۰		
۳۶	″ اطہر نبی ″ ″	۱---۰۰		
۳۷	″ یونس نگرامی ″ ″	۱---۰۰		
۳۸	″ ڈاکٹر محمد یوسف جے جے آپٹکس لکھنؤ	۱---۰۰		
۳۹	″ اخلاق احمد بھیرو جی روڈ لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۰	″ آر کے ادھی نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۱	″ ″ ″	۱---۰۰		
۴۲	″ محمد اصغر انصاری لاٹوش روڈ لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۳	″ سید نجم الحسن محمود منزل گولہ گنج لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۴	″ انوار الحق فرنگی محل لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۵	″ محمد اشفاق احمد ہاشمی گولہ گنج لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۶	″ آغا ریاست قاسم لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۷	″ حاجی مسعود حسن ایڈووکیٹ لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۸	″ ڈاکٹر اطہر علی قدردانی لکھنؤ	۱---۰۰		
۴۹	″ احمد علی ″	۱---۰۰		
۵۰	″ فاروق احمد ″	۱---۰۰		
۵۱	″ برجیس شکوہ ″	۱---۰۰		

Remarks (in margin): نمبر ۶–۷: معرفت [illegible] حیدرآباد؛ نمبر ۸–۲۱: معرفت ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب لکھنؤ یونیورسٹی؛ نمبر ۲۲–۵۱: معرفت ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھنؤ یونیورسٹی

(معرفت ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی لکھنؤ یونیورسٹی)

۵۲۔ ” ناصر شفاق علی لکھنؤ ۱—۰۰
۵۳۔ ” سید احتشام علی لکھنؤ ۱—۰۰
۵۴۔ ” دنیش کمار ” ۱—۰۰
۵۵۔ ” کمال مصطفےٰ قریشی ” ۱—۰۰
۶۰۔ ” محمد یوسف خاں ” ۱—۰۰
۶۱۔ ” مہدی حسن ” ۱—۰۰
۶۲۔ محترمہ عفت بانو، کرامت
گرلز کالج ” ۱—۰۰
۶۳۔ محترمہ تنویر فاطمہ ” ۱—۰۰
۶۴۔ محترمہ مس وسیم ” ۱—۰۰
۶۵۔ ” ” ” ” ۱—۰۰
۶۶۔ محترمہ عقیلہ عزیز ” ۱—۰۰
۶۷۔ جناب سرور داؤد متعلم
یونیورسٹی لکھنؤ ۱—۰۰
۶۸۔ محترمہ مہر بانو ” ۱—۰۰
۶۹۔ ” انیس بانو ” ۱—۰۰
۷۰۔ جناب محمد اشرف لکھنؤ ۱—۰۰
۷۱۔ جناب محمد افضل ” ۱—۰۰
۷۲۔ محترمہ مس قمر صدیقی۔ تعلیم
گاہ نسواں لکھنؤ ۱—۰۰
۷۳۔ محترمہ مسز ولی الحق انصاری لکھنؤ ۱—۰۰
۷۴۔ محترمہ مس ساجدہ لکھنؤ ۱—۰۰
۷۵۔ ” مسز شاکر جمیل ” ۱—۰۰
۷۶۔ ” مسز حنیفہ مسعود ” ۱—۰۰
۷۷۔ ” ” ” ” ۱—۰۰
۷۸۔ ” فاطمہ بیگم ” ۱—۰۰
۷۹۔ ” مس عارف قدوائی ” ۱—۰۰
۸۰۔ ” مسز بادی ” ۱—۰۰
۸۱۔ ” مسز محمد یوسف ” ۱—۰۰
۸۲۔ جناب حبیب احمد ” ۱—۰۰
۸۳۔ مسز ” ” ” ۱—۰۰
۸۴۔ جناب رفیق احمد ” ۱—۰۰
۸۵۔ ” عبد الکریم ” ۱—۰۰
۸۶۔ ” طفیل احمد ” ۱—۰۰
۸۷۔ ” پرجا کانت ترپاٹھی ” ۱—۰۰
۸۸۔ ” راجندر پرتاپ سنگھ ” ۱—۰۰
۸۸۔ محترمہ رانی ڈوگرہ ” ۱—۰۰

(معرفت ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی لکھنؤ یونیورسٹی)

۸۹۔ محترمہ ضیا کوثر ” ۱—۰۰
۹۰۔ ” گیتا شکلا ” ۱—۰۰
۹۱۔ جناب محمد وارث ” ۱—۰۰
۹۲۔ ” شاہد حسین ” ۱—۰۰
۹۳۔ ” عمران علی ” ۱—۰۰
۹۴۔ ” ندیم الحسنین ” ۱—۰۰
۹۵۔ ” محمد احمد قدوائی ” ۱—۰۰
۹۶۔ محترمہ تابندہ جمال ۱—۰۰
۹۷۔ محترمہ مجتبیٰ سلمہ ” ۱—۰۰
۹۸۔ جناب عبد المجید خاں ” ۱—۰۰
۹۹۔ ” نیاز احمد ” ۱—۰۰
۱۰۰۔ ” عبد الحبیب ” ۱—۰۰
۱۰۱۔ ” محمد اعظم متعلم لکھنؤ یونیورسٹی ” ۱—۰۰
۱۰۲۔ ” سعید الحسن ” ۱—۰۰
۱۰۳۔ ” راشد عمر ” ۱—۰۰
۱۰۴۔ ” خرمان دوستوف } روسی طلبہ ۱—۰۰
۱۰۵۔ ” یادوالشد نصر الصمد } ۱—۰۰
۱۰۶۔ ” جناب صدیقی متعلم لکھنؤ یونیورسٹی ۱—۰۰
۱۰۷۔ محترمہ زینت جہاں ” ۱—۰۰
۱۰۸۔ جناب الیاس ” ۱—۰۰
۱۰۹۔ ” عتیق الرحمٰن ” ۱—۰۰
۱۱۰۔ ” عبد الشد عنایت حسین ” ۱—۰۰
۱۱۱۔ محترمہ بیگم شمیم خاتون عبد العزیز
لکھنؤ ۲—۰۰
۱۱۲۔ جناب تسنیم فاروقی ” لکھنؤ ۲—۰۰
۱۱۳۔ محترمہ بیگم اختر فاطمہ ” ۲—۰۰
۱۱۴۔ جناب حامد حسین اسلم رضوی
عبد العزیز روڈ لکھنؤ ۵—۰۰
۱۱۵۔ جناب محمود علی رضوی
عبد العزیز روڈ لکھنؤ ۵—۰۰
۱۱۶۔ جناب احمد جمال پاشا متعلم
پی۔ ایچ۔ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی ۵—۰۰
۱۱۸۔ جناب ابرار الحسن خاں متعلم
ایم۔ اے سال اول لکھنؤ یونیورسٹی ۵—۰۰

میزان حال ۱،۲۰۶=۰۰
” سابق ۱۱،۶۱۲=۲۵
کل میزان ۱۲،۸۱۸=۲۵

ملک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا